(کلید انقلاب) قرار دیا۔ آپ کے مطابق "بنیاد اور اساس نفس انسانی کی تبدیلی ہے۔ اسی سے معاشرے کی تبدیلی کی تحریک مکمل ہوتی ہے اور پھر تاریخ کا دھارا بدل جاتا ہے" (عبدالبدیع صقر' کیف ندعو الناس' المکتب الاسلامی' بیروت' طبع ششم' ۱۹۷۷ء' ص ۱۰)۔ دعوت اسلامی کے تمام وسائل اور منہاجیات پر گفتگو کرنے کے بعد آخر میں فرماتے ہیں کہ "ان تمام اشیا اور ناموں سے بھرپور واقفیت اور اس میدان میں کام کرنے کی توفیق درس و مطالعہ اور تعلیم و تعلّم سے حاصل ہو گی نہ ذہانت اور ہوشیاری سے یہ منزل طے کی جا سکے گی بلکہ اس کے لیے مجاہدۂ نفس و ریاضت اور کھلے چھپے ہر حال میں تقویٰ و خشیت درکار ہے" (ایضاً' ص ۱۶۵)۔

شیخ صقر کی ابتلا و آزمایش میں ثابت قدمی ضرب المثل تھی۔ ۱۹۴۸ء میں مصر کے استبدادی دور نے اخوانی رہنماؤں کو قید و بند سے دوچار کیا تو آپ الطور قیدخانہ میں بند کیے گئے۔ وہاں دوسرے ساتھیوں کی ہمت افزائی اور دل جوئی ہی نہیں بلکہ ان کی خدمت بھی کرتے تھے۔ رابطہ عالم اسلامی کے سابق سیکرٹری جنرل عبداللہ العقیل نے بیان کیا ہے کہ وہ جیل میں دوسرے اخوانی قیدیوں کے بال بھی بناتے تھے اور بڑی عمر کے لوگوں اور مریضوں کے پاخانہ پیشاب تک صاف کرتے تھے۔

۱۹۵۴ء میں مصر میں ہنگامہ دار و گیر برپا ہوا تو شیخ صقر خلیجی ممالک کی طرف نکل کھڑے ہوئے۔ قطر اور متحدہ عرب امارات میں ایک طویل عرصہ قیام کیا۔ قطر میں وہ مدیر معلوف مقرر ہوئے۔ پھر دارالکتب القطریہ کے ڈائرکٹر کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ اس کے بعد حاکم قطر کے ثقافتی مشیر کی حیثیت میں کام کیا۔ انھوں نے علی بن عبداللہ آل ثانی اور ان کے بیٹے احمد بن علی آل ثانی دونوں حاکمان قطر کو اسلام کی کلاسیکی امہات کتب کی طباعت و اشاعت پر آمادہ کیا۔ خلیجی ممالک میں قیام کے دوران ان کی دعوتی زندگی اور خدمت اسلام کا جذبہ بڑا نمایاں رہا۔ طبیعت کی سادگی' مزاج کی درویشی اور اخلاق کی پاکیزگی میں سرمو انحراف نہ آیا۔ دوبئی کے استاذ حیدر قفہ نے ایک واقعہ بیان کیا ہے جس سے شیخ صقر کے اجلے کردار پر روشنی پڑتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جن دنوں وہ حاکم قطر کے مہمان تھے' میں نے انھیں ایک شب اپنے گھر قیام کرنے کی دعوت دی۔ وہ ازراہ کرم غریب خانہ پر تشریف لائے۔ رات کو کھانے سے فارغ ہو کر استراحت فرمائی۔ صبح کو میں نے دروازے پر دستک دی تو انھیں بیدار پایا۔ فجر سے پہلے تہجد سے فارغ ہو کر وہ تلاوت قرآن میں مشغول تھے۔ فجر کے بعد ہم نے ناشتہ کیا۔ وہ غسل خانہ میں ہاتھ دھونے اور وضو کی تجدید کرنے کی غرض سے داخل ہوئے۔ تھوڑی دیر بعد کیا دیکھتا ہوں کہ وہ حوض کی صفائی کر رہے ہیں۔ میرے لاکھ منع کرنے کے باوجود انھوں نے غسل خانہ کی صفائی کی۔ اصرار کیا تو بولے: بات دراصل یہ ہے کہ میری عادت ہے کہ غسل کرنے کے بعد حوض کی صفائی کر دیا کرتا ہوں تاکہ وہ ہمیشہ صاف ستھرا رہے (ہفت روزہ المجتمع'

شمارہ ۱۲۵۷، ۳ ربیع الاول ۱۴۱۸ھ / ۸ جولائی ۱۹۹۷ء، ص ۵۰)۔

شیخ صقر نے ایک بار دوستوں اور معتقدوں کی مجلس میں ایک دل چسپ واقعہ سنایا۔ مصری انٹیلی جنس کا ایک شخص اخوان کا گرویدہ ہو گیا اور اس نے خفیہ بیعت کرلی۔ اس نے مصری جاسوسی ادارے کی ایک بڑی الجھن بیان کی۔ وہ کہتا ہے کہ ہم لوگ اخوان کی مخبری اور جاسوسی کے لیے افراد متعین کیا کرتے تھے مگر ہمیں اپنے آدمیوں پر پورا بھروسانہ ہوتا تھا۔ ہمیں اندیشہ ہوتا کہ مبادا وہ اخوان سے مل جائے اور یہ اندیشہ سچ ثابت ہو جاتا تھا۔ چنانچہ ایک گرگ باراں دیدہ کو ڈھونڈ نکالا گیا۔ وہ بڑا ذہین اور مکار شخص تھا۔ ہم لوگوں نے سوچا کہ یہ تیر نشانے پر لگے گا۔ یہ اخوان پر ضرب کاری لگائے گا اور ان کی کمر توڑ کر رکھ دے گا۔ ابھی اس کی تقرری کو ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ ایک دن اس نے دفتر میں آکر ہاتھ جوڑ دیے:

> سرکار! کمیونسٹوں میں میری ڈیوٹی لگا دو۔ یہودیوں کے درمیان مجھے بھیج دو۔ میں کافروں کے درمیان بھی جانے کو تیار ہوں مگر ان ... کے بچوں کے پاس میں نہیں جاؤں گا۔ مجھے بڑا تعجب ہوا۔ میرے استفسار پر وہ کہنے لگا: یہ ہر رات قیام کرتے ہیں۔ نماز پڑھتے ہیں۔ ان کا شیخ انھیں قرآن پڑھاتا ہے۔ ایک رکعت میں ایک گھنٹہ لگ جاتا ہے۔ بڑے جفاکش اور سخت جان ہیں۔ مجھے معاف کرو (ایضاً، ص ۵۱)۔

۴ ربیع الاول ۱۴۰۷ھ / ۱۳ دسمبر ۱۹۸۶ء کو شیخ صقر مصر کے ایک شہر الزقازیق کے قریب بلبیس میں لیکچر دینے کے لیے روانہ ہوئے۔ وہاں سے فراغت کے بعد اپنی گاڑی میں سوار ہو کر الزقازیق کی جانب بڑھے۔ راستے میں گاڑی حادثے کا شکار ہو گئی اور وہ جوار رحمت الٰہی میں چلے گئے۔ آپ نے متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ چند مطبوعہ تصانیف کے نام یہ ہیں:

○ کیف ندعو الناس (ہم دعوت کا کام کیسے کریں) ○ الاخلاق للبنات (لڑکیوں کا اخلاق) ○ التجوید وعلوم القرآن ○ رحلة الحج ○ الوصایا الخالدة (ابدی نصیحتیں) ○ شاعرات العرب ○ مختارات الحسن والصحیح من الحدیث الشریف (صحیح اور حسن احادیث کا انتخاب) ○ رسالة الایمان ○ نقد البردة ○ نساء فاضلات (عالم و فاضل خواتین) ○ التربیة الاساسیة للفرد المسلم (مسلمان کی بنیادی تربیت) ○ حدیث الی دعاة الاسلام (داعیان اسلام سے گفتگو) ○ الادعیة الماثورة (مسنون دعائیں)۔

شیخ عبدالفتاح ابوغدہ

شیخ عبدالفتاح بن محمد بشیر بن حسن ابوغدہ (۱۹۱۷ء - ۱۹۹۷ء) شمالی شام کے شہر حلب الشہباء میں ایک دین دار تاجر گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اسی شہر میں المدرسة العربیة الاسلامیة میں حاصل کی۔ اس کے بعد المدرسة الخسرویة العثمانیة (جواب المدرسة الثانویة الشرعیة کے نام سے مشہور

ہے) میں داخلہ لیا اور ۱۹۴۲ء میں وہاں سے فراغت حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے کلیۃ الشریعۃ جامعۃ الازھر میں داخل ہوئے اور ۱۹۴۴ء-۱۹۴۸ء میں وہاں سے فارغ التحصیل ہوئے۔ پھر اسی یونی ورسٹی سے ۱۹۵۰ء میں کلیۃ اللغۃ العربیۃ سے اصول تدریس میں تخصص کا کورس مکمل کیا۔

حلب میں جن اساتذہ سے کسب فیض کیا ان میں شیخ راغب الطباخ، شیخ احمد الزرقا، شیخ عیسیٰ البانون، شیخ محمد الحکم، شیخ اسد ملجی، شیخ احمد الکردی، شیخ نجیب سراج الدین اور شیخ مصطفیٰ الزرقا جیسے علما کبار شامل ہیں۔ جامعہ الازہر میں جن شیوخ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا ان میں شیخ محمد الخضر حسین، شیخ عبدالمجید دراز، شیخ عبدالحلیم محمود، شیخ محمود شلتوت اور شیخ عبداللہ الصدیق الغماری نمایاں ہیں۔ مصر میں قیام کے دوران جن علما اور مفکرین سے ملاقاتیں ہوئیں ان میں خلافت عثمانیہ کے سابق شیخ الاسلام مصطفیٰ صبری اور شیخ محمد زاہد الکوثری نیز امام شہید حسن البنا بڑی قدآور شخصیات ہیں۔ آخرالذکر سے قربت، محبت اور عقیدت اتنی بڑھی کہ پوری زندگی اخوان المسلمون کو نذر کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

مصر کے علاوہ شیخ ابوغدہ نے ہندستان، پاکستان، سوڈان، المغرب اور عراق وغیرہ اسلامی ملکوں کے تعلیمی اور دعوتی دورے کیے اور وہاں کے علما، مفکرین اور دینی و فکری رہنماؤں سے اخذ و استفادہ کیا۔ ان میں مفتی محمد شفیع، مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی، شیخ الحدیث محمد زکریا کاندھلوی، شیخ الحدیث محمد ادریس کاندھلوی، شیخ محمد یوسف بنوری، شیخ محمد لطیف، شیخ ابوالوفاء افغانی، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اور مولانا ابوالحسن علی ندوی قابل ذکر ہیں۔

مصر میں تعلیم کی تکمیل کے بعد آپ شام واپس آئے اور ۱۹۵۱ء میں وزارت تعلیم کے تحت تربیت اسلامی مضمون کے مدرسین کے مقابلہ جاتی امتحان میں کامیاب ہوئے۔ چنانچہ حلب کے میٹرک اسکولوں میں ۱۱ برس تک مدرس رہے۔ اس دوران اسلامی تربیت کے موضوع پر درسی کتب کی تیاری میں بھی حصہ لیا۔ اس مدت میں ائمہ اور خطیبوں کو فارغ التحصیل کرنے والے سرکاری ادارہ المدرسۃ الشعبانیہ میں بھی آپ نے تدریس کے فرائض انجام دیے۔ اس کے بعد کلیۃ الشریعۃ جامعہ دمشق میں ڈیپوٹیشن پر اصول فقہ، فقہ حنفی اور تقابلی فقہ پر تین سال تک لیکچر دیتے اور معجم فقہ المحلی لابن حزم ظاہری، پروجیکٹ کو بعض احباب اور محققین کے تعاون سے مکمل کیا جسے دمشق یونی ورسٹی نے دو ضخیم جلدوں میں شائع کیا۔

شیخ ابوغدہ ۱۹۶۲ء میں شامی پارلیمنٹ کے رکن حلب سے منتخب ہوئے۔ مخالفین کی ریشہ دوانیوں اور ہزار الزام تراشیوں کے باوجود بڑی اکثریت سے آپ نے انتخاب میں کامیابی حاصل کی۔ پارلیمنٹ میں اسلام پسندوں کا دباؤ بنائے رکھا۔ آخرکار ۱۹۶۶ء میں متعدد علما و مفکرین کے ساتھ شامی حکومت نے آپ کو بھی گرفتار کرلیا۔ تدمر الصحراوی جیل میں آپ نے ۱۱ ماہ بسر کیے۔ ۵ جون ۱۹۶۷ء کے حادثے کے بعد ظالم

حکومت تمام سیاسی قیدیوں کو رہا کرنے پر مجبور ہوئی تو آپ بھی دیوار زنداں سے باہر نکلے۔ چند ماہ حلب میں اپنے شاگردوں کے درمیان رہے۔ جب شام کی زمین تنگ ہو گئی تو اسی سال سعودی عرب کا قصد سفر کیا اور جامعہ امام محمد بن سعود الاسلامیہ ریاض میں مدرس مقرر ہو گئے۔ اس یونی ورسٹی کے نصاب و نظام تعلیم کی تشکیل میں آپ نے بھرپور دل چسپی لی۔ چنانچہ وہاں آپ کو بڑی پذیرائی ملی۔ آپ اس کی مجلس علمی کے رکن منتخب ہوئے۔

شیخ ابوغدہ نے شام کی اخوان المسلمون کو منظم و مستحکم کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا۔ کئی بار اس کے مرکزی مناصب پر فائز ہوئے۔ وہ المراقب العام بھی منتخب ہوئے مگر اپنی علمی و دعوتی مصروفیات کی وجہ سے جیسے ہی مناسب قائد میسر آیا تحریک کی قیادت اس کے حوالے کر دی۔ ۱۹۸۶ء میں جب کہ شامی اخوان کی داخلی صفوں میں انتشار برپا تھا۔ آپ دوبارہ المراقب العام منتخب کیے گئے۔ آپ نے پانچ سال تک یہ ذمہ داری نبھائی تاآنکہ ۱۹۹۱ء میں ڈاکٹر حسن ہویدی کو یہ امانت سونپی اور وہ اگلے مراقب عام منتخب ہوئے۔ ۱۹۹۵ء میں شیخ ابوغدہ کو احساس ہوا کہ وہ شامی حکومت اور اخوان المسلمون کے درمیان تصفیہ کرا سکتے ہیں اور طرفین کی غلط فہمیوں کا پردہ چاک کر کے تحریک اسلامی کو ابتلا و آزمایش کے دور سے نکال سکتے ہیں۔ چنانچہ وہ شام واپس آئے مگر انھیں شدید مایوسی کا سامنا کرنا پڑا اور چند مہینوں کے قیام کے بعد وہ پھر ریاض چلے گئے جہاں ۹ شوال ۱۴۱۷ھ / ۱۶ فروری ۱۹۹۷ء کو آپ کا انتقال ہو گیا (ہفت روزہ المجتمع، شمارہ ۱۲۳۹، ۱۸ شوال ۱۴۱۷ھ / ۲۵ فروری ۱۹۹۷ء (الشیخ عبدالفتاح ابوغدہ) ص ۳۴-۳۵)۔

دعوتی و تبلیغی میدان میں شیخ ابوغدہ کی شخصیت بڑی ممتاز تھی۔ شام میں جب تک مقیم رہے فعال اور متحرک داعی کی حیثیت میں عالم اسلام اور مسلمانان شام کے مسائل میں سرگرمی سے حصہ لیتے رہے۔ شہر حلب کی جامع الحموی پھر جامع الثانویہ الشرعیہ میں پابندی سے خطبہ جمعہ دینے کے علاوہ تین ہفت روزہ دروس کا اہتمام بھی کرتے تھے۔ ایک نشست ہر نماز جمعہ کے بعد منعقد کرتے تھے۔ اس میں عوام و خواص سب کے سوالات کے جوابات دیتے تھے۔ دینی و سماجی تمام مسائل پر گفتگو ہوتی تھی۔ دوسری نشست ہر منگل کو ہوتی تھی جس میں شیخ کے تبحر علم کا اظہار ہوتا تھا۔ یہ مجلس فقہی نوعیت کی ہوتی تھی اس میں تمام مسالک فقہ زیربحث آتے تھے۔ ہر جمعرات کو تیسری مجلس ہوتی تھی جس میں تربیت و تزکیہ کے موضوعات پر تبادلہ خیال ہوتا تھا۔ ڈاکٹر جاسم مہلہل الیاسین نے دو چشم دید واقعات بیان کیے ہیں جن سے شیخ کی دعوتی زندگی کے خدوخال نمایاں ہوتے ہیں۔ ایک منظر وہ تھا جب کہ انھوں نے شیخ کو مغموم اور سخت رنجیدہ پایا۔ وجہ دریافت کی تو فرمایا:

میرے آنسو کیسے تھمیں، میں رنجیدگی پر کیسے قابو پاؤں جب کہ میری سیکڑوں بہنیں جیل میں ہیں؟

ہم ان کی عزت و ناموس کے بارے میں کیسے بے فکر اور مطمئن ہو سکتے ہیں جب کہ ہم کو مسجد کے دروازے پر جوتے چھوڑنے میں بھی تردد ہوتا ہے؟

دوسرا منظر وہ تھا جب کہ تحریک اسلامی کے جیالوں نے ایک اہم اقدام کا فیصلہ کیا مگر قائدین کو اس اقدام کی خطرناکی اور ہلاکت خیز نتائج کا اندازہ ہوا تو شیخ نے اس اقدام سے دست بردار ہونے کا مشورہ دیا۔ ذمہ داران نے کہا: معاملہ بہت نازک ہے۔ نوجوانوں کو کون سمجھائے گا۔ ان کے لیے پسپائی سے زیادہ آسان موت کو گلے لگانا ہو گا۔ شیخ کا موقف تھا کہ نوجوانوں کی جان زیادہ قیمتی ہے۔ مسلمان کی زندگی اللہ کے نزدیک اس کے گھر سے زیادہ محترم ہے۔ ہم اسے ضائع نہیں ہونے دیں گے۔ مگر مسئلہ یہ تھا کہ بلی کے گلے میں گھنٹی کون باندھے۔ شیخ اسلامی موقف پر پوری طرح ثابت قدم اور اس کی صحت کے سلسلے میں کامل اذعان رکھتے تھے وہ نوجوانوں کے درمیان آئے' انھیں خطاب کیا۔ خود روئے دوسروں کو اشکبار کیا اور اس طرح ہزاروں زندگیوں کو تباہی سے بچایا (ایضاً' ص ۳۶) (النجم الذی افل)۔

شیخ علم و تحقیق کی دنیا کے بادشاہ تھے۔ آپ کی تصانیف کی تعداد بہت ہے۔ چند مشہور کتابیں یہ ہیں:

○ صفحات من صبر العلما علی شدائد العلم والتحصیل (تحصیل علم کی راہ میں آزمایشوں پر علما کی ثابت قدمی سے متعلق چند صفحات) ○ العلما العزاب الذین اثروا العلم علی الزواج (نکاح اور شادی پر علم کا انبار لگانے والے علما) ○ قیمة الزمن عند العلما (علما کے نزدیک وقت کی قدروقیمت) ○ الرسول المعلم واسالیبه فی التعلیم (معلم انسانیت اور ان کے تعلیمی طریقے) ○ لمحات من تاریخ السنة وعلوم الحدیث (سنت اور علوم حدیث کی تاریخ کی چند جھلکیاں) ○ امرا المومنین فی الحدیث ○ السنة النبویة وبیان مدلولها الشرعی ○ من ادب الاسلام ○ نماذج من رسائل ائمة السلف وادبهم العلمی (اسلاف کے ادبی رسائل کے چند نمونے) ○ کلمات فی کشف الاباطیل وافتراء ات (چند الزامات اور اعتراضات کے جوابات) ○ مسئلة خلق القرآن واثرها صفوف الرواة والمحدثین وکتب الجرح والتعدیل

شیخ ابوغدہ نے اسلامی علوم و فنون کی ۴۴ ضخیم امہات کتب تحقیق و تخریج کے بعد شائع کی ہیں۔ یہ کتابیں تحقیق کی اعلیٰ شاہ کار سمجھی جاتی ہیں۔ چند تحقیق شدہ کتابوں کے نام اس طرح ہیں:

○ المنار المنیف فی الصحیح والضعیف' امام ابن قیم الجوزیة ○ المصنوع فی معرفة الحدیث الموضوع' امام علی قاری ○ قواعد فی علوم الحدیث' ظفرالله تهانوی ○ قاعدة فی الجرح والتعدیل' تاج الدین السبکی ○ المتکلمون فی الرجال' الحافظ السخاوی ○ ذکر من یعتمد قوله فی الجرح والتعدیل' الحافظ الذهبی ○ الموقظة فی علم مصطلح الحدیث' الحافظ الذهبی ○ قفرالاثر فی صفو علم الاثر' ابن الحنبلی ○ لفة الاریب فی مصطلح آثار الحبیب'

الحافظ الزبیدی ○ جواب الحافظ المنذری عن اسئلة فی الجرح والتعدیل ○ التبیان لبعض المباحث المتعلقة بالقرآن' العلامة الجزائری ○ الحلال والحرام وبعض قواعدهما فی المعاملات المالیة' ابن تیمیة ○ رسالة المسترشدین' الامام الحارث المحاسبی ○ رسالة الالفة بین المسلمین' امام ابن تیمیة ومعها رسالة فی الامامة' للامام ابن حزم الظاهری وغیرہ (ایضاً' ص ۳۷)۔

شیخ محمد محمود الصواف

شیخ محمد محمود الصواف (۱۹۱۵ء - ۱۹۹۲ء) اوائل شوال ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۱۵ء میں شمالی عراق کے شہر الموصل میں پیدا ہوئے۔ آغاز عمر ہی سے طلب علم کے بڑے دل دادہ اور حریص تھے۔ جن شیوخ سے آپ نے بچپن میں استفادہ کیا ان میں شیخ عبداللہ النعمة سرفہرست ہیں۔ آپ کے ہاتھ سے ۱۹۳۶ء میں شیخ الصواف نے اجازہ حاصل کیا۔ استاذ نے جب جمعیة الشبان المسلمین کی بنیاد رکھی تو شیخ الصواف اس کے سب سے کم سن رکن تھے۔ علوم شریعت کی تحصیل کے لیے جامعہ الازہر کا رخ کیا اور چھ سالہ نصاب کی تکمیل تین سال ہی میں کر لی۔ چار سال کی جگہ دو سالوں میں عالمیت کا نصاب اور دو سالوں کے بجائے ایک سال میں تخصص کا کورس مکمل کر لیا۔ طالب علم کی ذہنی استعداد اور محنت و قابلیت کو دیکھ کر شیخ الازہر مصطفیٰ المراغی [1] (۱۸۸۱ء-۱۹۴۵ء) نے فرمایا: "بیٹے" تم نے تو معجزہ کر دکھایا۔ الازہر میں وہ کارنامہ انجام دیا جو یہاں کے لیے بالکل نیا ہے" (مصطفیٰ محمد الطحان' حاضر العالم الاسلامی عام ۱۹۹۲م' المرکز العالمی للکتاب الاسلامی' کویت' ۱۹۹۲ء' ص ۶۸)۔

ازہر میں تعلیم کے دوران آپ کی ملاقات امام حسن البنا شہید سے ہوئی اور ۱۹۴۶ء میں جب آپ بغداد واپس آئے تو اخوان المسلمون میں شامل ہو چکے تھے۔ بغداد آکر کلیة الشریعة میں استاذ مقرر ہو گئے۔ مگر جلد ہی طلبہ میں مقبولیت کی وجہ سے حاسدین کی سازشوں کا شکار ہوئے اور آپ کو اس ملازمت سے معطل کر دیا گیا اور وزارت المعارف میں انسپکٹر کے عہدہ پر آپ منتقل کر دیے گئے۔ ۱۹۴۷ء میں تقسیم فلسطین کی قرارداد منظور ہوئی تو شیخ الصواف نے عراقی عالم شیخ امجد الزہاوی" کی نگرانی میں جمعیة انقاذ فلسطین قائم کی اور عراق کے طول و عرض میں دورے کر کے عامتہ الناس کو یہودیوں کے خلاف جہاد کرنے کے لیے آمادہ کیا۔ وہ ملک کے مختلف علاقوں سے مجاہدین کے دستے فلسطین بھیجنے لگے اور عوام کے تعاون سے اسلحے کی خریداری کے لیے بڑی رقوم جمع کیں۔ بغداد میں مسئلہ فلسطین کی حمایت میں متعدد جلسوں اور جلوسوں کی قیادت کی۔ جرأت و شجاعت اور بے خوفی آپ کا طرۂ امتیاز تھی۔ عراقی حکومت نے اصرار کیا کہ دونوں ملکوں کے درمیان وحدت کا پیغام لے کر وہ شام کا سفر کریں اور حکومت کی نمائندگی کرتے ہوئے اتحاد کے امکانات کا جائزہ لیں۔ شیخ نے حکومت کی نیت بد تاڑ کر اس پیش کش کو مسترد کر دیا

اور نتیجے کے طور پر عتاب کا نشانہ بنے اور ملازمت سے برطرف کر دیے گئے مگر قلندرانہ جاہ و جلال سے دست بردار نہ ہوئے۔ انھوں نے استعمار کا مقابلہ کرنے اور دعوت دین کے مقاصد کو منظم کرنے کے لیے جمعیۃ الاخوۃ الاسلامیۃ کی بنیاد رکھی۔

شام میں جب کمیونسٹ برسراقتدار آئے اور انھوں نے بدترین ملوکیت کا مظاہرہ کیا تو شیخ الصواف ان کے مظالم کا خصوصی ہدف بنے۔ کمیونسٹ جمعیۃ انقاذ فلسطین کے دفتر پر حملہ آور ہوئے، وہاں کا سارا سازوسامان لوٹ لیا اور عمارت میں آگ لگا دی۔ انھوں نے بغداد کی مسجد ابوحنیفہ کو بھی معاف نہ کیا۔ شیخ یہاں درس دیا کرتے تھے۔ کمیونسٹوں نے مسجد کے اندر آگ لگا دی اور اس کا الزام شیخ الصواف کے سر تھوپ کر انھیں گرفتار کر لیا۔ حکومت کے کارندے روزانہ شام کو شیخ کو پکڑ لے جاتے تھے اور نماز فجر کے وقت انھیں واپس کرتے تھے تو ان کے پاؤں ورم زدہ اور جسم مختلف ضربات کی آماجگاہ ہوتا تھا۔ پولیس دھمکیاں دیتی تھی: "ہم تمھارے ساتھ وہی سلوک کریں گے جو ناصر نے اخوانیوں کے ساتھ کیا ہے"۔ وہ ڈراتی تھی کہ حکومت جلد ہی تمھیں قتل کر دے گی۔ آپ کے خلاف فوجی عدالت میں مقدمہ چلا اور آپ جیل میں ڈال دیے گئے۔ بغداد کے قریب معقوبہ جیل میں آپ کو رکھا گیا تاآنکہ عبدالکریم قاسم نے آپ کو رہا کیا۔ اس کے بعد شیخ نے عراق کو خیرباد کہنے کا فیصلہ کیا۔ چھپتے چھپاتے دمشق پہنچے اور وہاں سے سعودی عرب چلے گئے جہاں کلیۃ الشریعۃ مکہ میں آپ نے مدرس کا فریضہ انجام دینا شروع کیا۔

شاہ فیصل شہید (۱۹۰۶ء-۱۹۷۵ء)[۲] نے اپنے دور حکومت میں شیخ الصواف کو اپنا مخصوص نمایندہ بنا کر مختلف عرب اور مسلم حکومتوں کے پاس اپنا پیغام دے کر بھیجا۔ شیخ نے ایک کتاب لکھی ہے رحلاتی الی الدیار الاسلامیۃ (مسلم ممالک میں میرے اسفار)۔ اس میں شیخ نے افریقہ و ایشیا کے مسلمان ملکوں کی سیاحت اور وہاں کے سربراہوں سے اپنی ملاقاتوں کا حال لکھا ہے۔ شاہ فیصل سے شیخ کو بڑی عقیدت و محبت تھی، وہ انھیں شہید القدس کہتے تھے۔ ایک مجلس میں شیخ نے یہ چشم دید حقیقت بیان کی کہ جون ۱۹۶۷ء میں یہودیوں کے ہاتھوں بیت المقدس کی بے حرمتی کا المیہ پیش آیا تو شاہ فیصل نے تین دنوں تک غم و الم کے مارے کھانے کو ہاتھ نہ لگایا۔ شیخ کہا کرتے تھے کہ شاہ فیصل نے آزادی فلسطین کے حصول کے لیے لشکر جہاد تیار کرنے کا عزم کر لیا تھا اور اسی وجہ سے وہ شہید کر دیے گئے۔

شیخ الصواف آخری سالوں میں استنبول میں مقیم ہو گئے تھے۔ وہاں ارباب ثروت سے مالی تعاون وصول کر کے حفظ قرآن کے مختلف مدارس اور مراکز کی مدد کیا کرتے تھے۔ استنبول کے ہوائی اڈے پر ۱۲ ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ مطابق ۹ اکتوبر ۱۹۹۲ء کو آپ کا انتقال ہوا تو ترکی حکومت نے مقبرہ الفاتح استنبول میں آپ کی تدفین کی تجویز رکھی لیکن آپ کی وصیت کے مطابق مکہ مکرمہ میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ زندگی کے

اخیر ایام میں اسلام پسندوں کے درمیان مفاہمت کی کوشش آپ کی اولین ترجیح رہتی تھی۔ استنبول ہوائی اڈے سے وفات سے چند لمحات پہلے اپنے بیٹے ڈاکٹر مجاہد کو ٹیلی فون پر خبر دی کہ "میں استنبول ہوائی اڈے سے بول رہا ہوں۔ بس اب جہاز پر سوار ہونے والا ہوں۔ ان شاء اللہ چند گھنٹوں میں تم لوگوں کے پاس ہوں گا۔ وہاں سے کابل کے سفر کا انتظام کر لیا گیا ہے"۔ بیٹے نے جواباً کہا کہ کابل کا سفر خطرناک ہے کیونکہ مجاہدین کے درمیان آپس میں جنگ ہو رہی ہے۔ شیخ نے فوراً کہا کہ "اسی لیے تو میں وہاں فوراً پہنچنا چاہتا ہوں"۔ شیخ نے مختلف علمی و دینی موضوعات پر متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ چند کتابوں کے نام یہ ہیں:

○ المسلمون وعلم الفلك (علم فلکیات اور مسلمان) ○ المخططات الاستعمارية لمكافحة الاسلام والمسلمين (اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جنگ لڑنے کے لیے سامراجی منصوبے) ○ القيامة راى العين ○ تعليم الصلوة ○ الصيام ○ زوجات النبى الطاهرات ○ رحلاتى الى الديار الاسلامية (المجتمع' شمارہ ۱۲۷۰' ۶ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۸ھ / ۷ اکتوبر ۱۹۹۷ء' ص ۵۱)۔

ڈاکٹر نجیب الکیلانی

ڈاکٹر نجیب الکیلانی (۱۹۳۱ء - ۱۹۹۵ء) ایک مصری گاؤں شرشابہ میں ایک کسان خاندان میں ۱۹۳۱ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۴۹ء میں طنطا سے ثانویہ کا سرٹیفکیٹ حاصل کیا۔ پھر میڈیکل کالج قاہرہ یونی ورسٹی میں داخلہ لیا۔ ابھی آخری سال کے طالب علم تھے کہ ۱۹۵۵ء میں اخوان المسلمون سے تعلق رکھنے کے جرم میں گرفتار کر لیے گئے۔ مقدمہ چلا اور ۱۰ برس قید کی سزا ہوئی۔ وہ سجن حربی' سجن اسیوط' سجن القناطر' سجن مصر العموی' سجن القاہرہ' ابوزعبل اور طرہ کے قید خانوں میں بدترین سزائیں برداشت کرتے رہے۔ آخرکار صحت کی تشویش ناک صورت حال کی وجہ سے ۱۹۵۹ء میں رہائی نصیب ہو گئی۔ تعلیم کا سلسلہ دوبارہ شروع کیا اور ۱۹۶۰ء میں طب کی ڈگری حاصل کی۔ طبابت کے پیشہ کے ساتھ ناول' ڈرامے اور قصے بھی برابر لکھتے رہے مگر یہ ساری تخلیقات تعمیری' بامقصد اور ظلم کی اندھی بہری قوتوں کے خلاف صدائے رستاخیز ہوتی تھیں۔ ۱۹۶۵ء میں جمال عبدالناصر نے ماسکو سے اعلان کیا کہ ان تمام افراد کو دوبارہ گرفتار کر لیا جائے جو اس سے پہلے پابند سلاسل رہ چکے ہیں۔ ڈاکٹر کیلانی پھر ایک بار پس دیوار زنداں دھکیل دیے گئے اور جولائی ۱۹۶۷ء کی شکست کے بعد ہی وہ آزاد ہو سکے۔ دار و گیر کے ان صبر آزما مراحل نے آپ کی تحریروں میں سوز و گداز بھی پیدا کیا اور جہادی للکار بھی۔ وہ زندگی بھر ظلم و جبر کے خلاف تیغ براں رہے اور عدل و اخوت' مساوات و حریت اور حقوق انسانی کے احترام کے وکیل اور نمایندے رہے۔

ڈاکٹر نجیب الکیلانی نے ۷۰ سے زائد کتابیں لکھیں۔ موضوعات کے تنوع' جذبہ کی حرارت اور سادہ و عام فہم ادب کی وجہ سے معاصر اسلام پسند ادیبوں میں ان کا نام بڑا ممتاز ہے۔ انھوں نے ناول' قصہ' شعر'

تنقید، فکر اسلامی اور طب کے تمام پہلوؤں پر قلم اٹھایا ہے اور بامقصد اور تعمیری ادب کے ذخیرہ کو مالا مال کیا ہے۔ وہ زندگی بھر اس نقطۂ نظر کی حمایت و وکالت کرتے رہے کہ دین اور ادب و فن میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ جن لوگوں نے تصادم اور تفریق پیدا کی ہے وہ مذہب اور اسلام کے دشمنوں کے آلہ کار بن کر ان کے مخصوص مفادات کی تکمیل کر رہے ہیں یا پھر وہ کم فہمی اور لاعلمی کا شکار ہیں اور اسلامی شریعت کے مزاج اور اس کی روح سے ناآشنا ہیں۔ اسلام ترقی یافتہ ادب اور فن کا مخالف کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ تو اس کی ہمت افزائی کرتا اور ایسے ادب کی تخلیق پر زور دیتا ہے۔ مسلمان روح اور جسم دونوں کا مرکب ہے اور دونوں کے تقاضوں کی تکمیل اسلامی اخلاق و آداب کے دائرہ میں رہ کر کرتا ہے۔ کویت کے جریدہ القدس کو ۱۹ جنوری ۱۹۸۱ء کو انٹرویو دیتے ہوئے ڈاکٹر نجیب الکیلانی نے بیان کیا کہ:

> میں نے اپنی زندگی کا آغاز ایک شاعر کی حیثیت سے کیا۔ میں بس شعر کہتا تھا اور وہ بھی زیادہ تر سیاسی اور جذباتی اشعار ہوا کرتے تھے۔ پھر میں نے ناولوں کی طرف توجہ دی اور وزارت تربیت و تعلیم کے ایک بڑے مقابلے میں اپنا ناول الطریق الطویل (لمبا راستہ) لے کر شریک ہوا۔ یہ دراصل دوسری جنگ عظیم اور مصری معاشرے بطور خاص گاؤں پر اس کے اثرات پر مشتمل تھا۔ ناول نگاری کی یہ میری پہلی کوشش تھی۔ میں نے انعام حاصل کیا۔ حالانکہ اس وقت میں جیل میں تھا۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ شرکا کے نام اصلی نہ تھے اور کوڈ نمبر کی وجہ سے انھیں پہچاننا آسان نہ تھا۔ نتائج کے اعلان کے بعد ہی لوگوں کو معلوم ہو سکا کہ انعام یافتہ ایک قیدی ہے۔ میں نے عرب اسلامی معاشرے کے مسائل پر متعدد چھوٹے چھوٹے قصے لکھے جیسے ارض الانبیا (سرزمین انبیا) عمر یظھر فی القدس (بیت المقدس میں حضرت عمرؓ کا ظہور) لیالی ترکستان (ترکستان کی راتیں) عمالقة الشمال (شمال کے عمالقہ) عذراء جاکرتا (جکارتہ کی دوشیزہ) الیوم الموعود (صلیبی جنگوں پر ناول) قاتل حمزة (اسلامی دور پر ناول) وغیرہ۔

ان ناولوں میں سے عذراء جاکرتا دراصل اس کش مکش اور تصادم کی کہانی ہے جو انڈونیشیا میں اسلام اور کمیونزم کے درمیان مدتوں جاری رہی اور ڈھائی لاکھ سے زیادہ مسلمان جس کی بھینٹ چڑھ گئے۔ اس ناول کا ترجمہ انڈونیشی زبان میں بھی ہوا۔ عمالقة الشمال میں نائیجیریا کے مسلمانوں کی مشکلات اور مسائل کو ناول کے رنگ میں بیان کیا گیا ہے جب کہ لیالی ترکستان میں ترکستانی مسلمانوں پر سایہ فگن ظلم و جبر کی سیاہ راتوں کو ناول کی شکل دی گئی ہے۔ الظل الاسود میں مصنف نے حبشہ کے مسلمانوں پر ہوئے مظالم کی نقاب کشائی کی ہے۔ اس میں ڈاکٹر کیلانی نے اری ٹیریا کے انقلاب سے تاریخی دستاویزات حاصل کیے ہیں۔ تاریخی ناولوں میں امرأة عبدالمتجلی، مملكة العنب اور اقوال ابوالفتوح الشرقاوی بہت اہم

سمجھے جاتے ہیں۔

شعروشاعری کے میدان میں مصنف نے تقریباً ۱۰ دیوان شائع کیے جیسے عصر الشہداء' اغانی الغرباء' اغنیات اللیل الطویل' مدینۃ الکبائر' نحوالعلاء' مہاجر اور کیف الفاک؟

تنقید کے میدان میں مصنف کی درج ذیل مطبوعات بڑی اہم ہیں: الاسلامیۃ والمذاھب الادبیۃ' اقبال الشاعر الثائر' مدخل الی الادب الاسلامی' رحلتی مع الادب الاسلامی' آفاق الادب الاسلامی۔ ڈراما نگاری کے میدان میں مصنف نے قدم رکھا تو بڑے مقبول اور اہم ڈرامے لکھے جیسے علی اسوار دمشق' حول المسرح الاسلامی' نحو مسرح اسلامی (یہ دونوں کتابیں اسلامی ڈراما نگاری کے اصول و مبادیات سے متعلق ہیں) اور علی ابواب خیبر وغیرہ۔ فکری مسائل پر بھی مصنف کی تخلیقات بڑی وقیع اور قابل قدر ہیں جیسے تحت رایۃ الاسلام (اسلام کے پرچم تلے)' الطریق الی اتحاد اسلامی (اسلامی اتحاد کی راہ)' اعداء الاسلامیۃ (اسلامیت کے دشمن)' اور حول الدین والدولۃ (دین اور مملکت کے مسائل)۔

ڈاکٹر نجیب الکیلانی نے ۲۴ سال کی جلاوطنی و غربت کی زندگی گزارنے کے بعد وطن واپسی کا منصوبہ بنایا۔ زندگی کے آخری ایام بڑے صبر و شکر کے ساتھ وطن ہی میں گزارے۔ آخر کار ۶ مارچ ۱۹۹۵ء کو زندگی و موت کے درمیان ایک طویل کشمکش کے بعد موت کو فتح حاصل ہوگئی اور مصر ہی میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ اخوان المسلمون اور اس کے بانی کی پُرکشش شخصیت اور اس کے ہمہ گیر اثرات کا تذکرہ موصوف نے اپنی خود نوشت لمحات من حیاتی (میری زندگی کے چند لمحے) میں تفصیل سے کیا ہے۔ اس سے موصوف سے جذباتی وابستگی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

> بلاشبہ مصر ماضی و حال میں دنیا میں اسلام کی ضیاپاشی کا مرکز رہا ہے۔ اس کے اسلام پسند علما اور مفکرین کی تصنیفات وہ قیمتی توشا ہیں جس سے روے زمین میں پھیلے ہوئے فرزندان امت مسلمہ خوراک حاصل کرتے ہیں۔ بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں جنم لینے والی اس کی سب سے بڑی اسلامی تحریک' جس کی کرنیں امام شہید حسن البنا نے چاردانگ عالم میں پھیلائیں' دعوت اسلامی کے میدان میں کام کرنے والوں کے لیے مینارۂ نور ہے۔ یہ تحریک اپنے تمام واقعات' اپنی میراث' اپنے مردان کار اور اپنے دائمی معرکوں کے ساتھ ایک اہم تاریخی تجربہ ہے جو حرکت و عمل کی دعوت دیتا اور مسلسل آمادۂ پیکار رہنے پر ابھارتا ہے۔ اس تحریک نے ہر ملک کے مؤرخین اور محققین کی توجہ حاصل کرلی ہے یہاں تک کہ روس' امریکہ اور مشرقی و مغربی یورپ میں بھی اس پر مطالعہ اور تحقیق کے مراکز قائم ہو چکے ہیں (المجتمع' شارہ ۱۳۲۶' ۲۸ رجب ۱۴۱۹ھ / ۱۷ نومبر ۱۹۹۸ء' ص ۴۸-۵۰)۔

اخوان نے فکر و ادب کے میدان میں لازوال نقوش چھوڑے ہیں۔ ادیبوں اور قلم کاروں کی ایک بڑی کھیپ فراہم کی ہے جو پوری دنیا میں احیاے اسلام کی شمع روشن کیے ہوئے ہیں۔ یہاں تو مشتے نمونہ از خروارے چند ادیبوں اور قلم کاروں کا مختصر ترین خاکہ پیش کیا گیا ہے ورنہ یہ حکایت لذیذ بھی ہے اور طویل ترین بھی۔

حواشی

(۱) محمد بن مصطفیٰ بن محمد بن عبدالمنعم (معروف محمد مصطفیٰ المراغی) (۱۸۸۱ء-۱۹۴۵ء) مصر کے مشہور مصنف اور داعی اصلاح و تجدید بالاے مصر کے علاقہ جرجا کے ایک گاؤں المراغہ میں پیدا ہوئے۔ قاہرہ میں تعلیم حاصل کی۔ مفتی محمد عبدہ کی شاگردی اختیار کی۔ مختلف عہدوں پر فائز رہے۔ شرعی قضا کی ذمہ داری نبھائی۔ ۱۹۰۸ء-۱۹۱۹ء میں سوڈان کے قاضی القضاۃ رہے۔ اسی دوران انگریزی زبان سیکھی۔ ۱۹۲۸ء میں الازہر کے شیخ مقرر ہوئے مگر ایک سال تک ہی اس عہدہ پر کام کر سکے۔ ۱۹۳۵ء میں دوبارہ اسی عہدے پر مامور ہوئے اور پھر تاحیات اس منصب پر کام کرتے رہے۔ اسکندریہ میں وفات ہوئی۔ قاہرہ میں جسد خاکی کی تدفین ہوئی۔ چند کتب کے نام یہ ہیں: ○ بحث فی ترجمة القرآن الكريم الى اللغات الاجنبية (یہ رسالہ قرآن کریم کے دوسری زبانوں میں ترجمہ کے دلائل پر مشتمل ہے) ○ تفسير سورة الحجرات ○ تفسير سورة الحديد وآيات من سورة الفرقان ○ تفسير سورة لقمان والعصر ○ الدروس الدينية (مختلف رسائل کا مجموعہ) ○ بحوث فی التشريع الاسلامی (اسلامی شریعت کے مختلف مباحث) ○ كتاب الاولياء والمحجورين۔

(۲) فیصل بن عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن الفیصل آل سعود (۱۹۰۶ء-۱۹۷۵ء) شہر ریاض میں ۱۴ صفر ۱۳۲۴ھ (۱۹۰۶ء) میں پیدا ہوئے۔ عنفوان شباب میں مملکت سعودی عرب کے نشو و استحکام کے لیے جاری متعدد معرکوں میں حصہ لیا۔ ۱۹۲۷ء میں والد نے برطانیہ سے گفتگو کے لیے آپ کو نمایندہ بنا کر بھیجا جس کے نتیجے میں معاہدۂ جدہ پر دستخط ہوئے اور برطانیہ نے ملک عبدالعزیز کی حکومت کو تسلیم کیا۔ اس کے بعد ایشیا و یورپ کے مختلف ملکوں میں متعدد کانفرنسوں میں حکومت کی نمایندگی کی اور عالمی فورمز میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔ دوسری عرب چوٹی کانفرنس اور ۱۹۶۴ء میں مصر میں ناوابستہ ممالک کی کانفرنس کی صدارت کی۔ مملکت کے مختلف صوبوں کی گورنری، مجلس شوریٰ کی صدارت، وزارت خارجہ کی ذمہ داری اور آخر میں وزارت عظمیٰ کی قیادت کے مختلف مراحل میں آپ کی صلاحیت آزمودہ اور معترف تھی۔ چنانچہ والد محترم کے انتقال کے بعد ۱۹۵۳ء کو بھائی کو مسند نشین اور فیصل کو ولی عہد تسلیم کیا گیا اور ۱۱ برسوں کے بعد وہ موقع بھی آیا کہ ۱۹۶۴ء کو آپ مملکت سعودی عرب کے قانونی حکمران تسلیم کیے گئے۔ شاہ فیصل نے اپنے دور حکومت میں تین جہتوں میں کام کیا: مملکت کی ترقی و استحکام اور اس کی جدت کاری، اسلامی مجد و شرف کا احیا اور عرب اسلامی اتحاد کے لیے جدوجہد اور عربوں کے حقوق کی بازیافت۔ ۱۹۷۵ء کو اپنے بھتیجے فیصل بن مساعد بن عبدالعزیز کی گولیوں کا نشانہ بن کر شہید ہوئے۔

چند قیمتی "لمحات"

پروفیسر عبدالقدیر سلیم ٥

خود نوشت ' اس اعتبار سے سوانحی ادب کی ایک اہم صنف ہے کہ اس کے ذریعے قارئین کو نہ صرف کسی شخصیت کے اندر جھانکنے کا موقع ملتا ہے ' بلکہ ایک عہد کے حالات کا ایسا مرقع دیکھنے کو ملتا ہے جو عام تاریخ کی کتابیں پیش نہیں کرتیں۔ برعظیم کے سوانحی ادب میں اس قبیل کی بہت سی خود نوشت سوانح حیات نظر آتی ہیں ' مثلاً ڈاکٹر یوسف حسین خاں کی یادوں کی دنیا ' ظفر حسن ایبک کی آپ بیتی ' سر علی رضا کی اعمال نامہ ' احسان دانش کی جہان دانش ' جوش ملیح آبادی کی یادوں کی بارات ' سر ظفر اللہ خاں کی تحدیث نعمت ' قدرت اللہ شہاب کی شہاب نامہ ' اور آل احمد سرور کی خواب باقی ہیں وغیرہ۔

مذکورہ کتابیں ایک لحاظ سے اپنی نوعیت کی نمایندہ مثالیں ہیں جن میں مصنفین اپنے مخصوص زاویے اور زندگی سے متعلق اپنے رویے کی عکاسی کرتے ہیں۔ اس عنوان سے دیکھیں تو خرم جاہ مراد (م ۱۹ دسمبر ۱۹۹۶ء) کی لمحات اپنی نوعیت کی ایک منفرد "خودگفت" سوانح ہے۔ ایک تفصیلی اشاریے سمیت ۵۶۰ صفحات پر مشتمل اس "یادداشت" کو جو انھوں نے اپنے برادر خورد پروفیسر مسلم سجاد اور رفیق کار پروفیسر سلیم منصور خالد کی فرمایش پر اپنی حیات مستعار کے آخری چند ماہ میں ٹیپ پر ثبت کر کے لندن سے بھجوایا تھا ' ایک شخص نہیں ' بلکہ ایک تحریک اور ایک جماعت ' جماعت اسلامی کے "ایک" خوردبینی مطالعے کی حیثیت سے دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ پاکستان میں اسلام پسند طلبہ کی تحریک کے ایک کارکن اور پھر اس کے محبوب قائد کی یادوں کا ایک دل چسپ مرقع ہی نہیں ' بلکہ جماعت اسلامی کے ایک صف اول کے رہنما کے سیاسی مشاہدات اور منفرد تجزیوں کا ایک ایسا خزینہ بھی ہے جو پاکستان کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والوں کے لیے ایک بیش بہا دستاویز اور ماخذ (resource) ثابت ہو گا۔

لمحات میں خرم کی پوری شعوری زندگی ایک بامقصد سفر نظر آتی ہے: مقصدیت ' مقصدیت ' مقصدیت۔

---

٥ وزٹنگ پروفیسر ' انسٹی ٹیوٹ آف بزنس ایڈمنسٹریشن ' کراچی